تذکرہ

یورپین شعرائے اردو

یورپین شعرائے اردو کے حالات اور انکے کلام کے نمونے

مرتبہ

محمد سردار علی

ادارۂ اشاعت اردو

حیدرآباد (دکن)

قیمت ۱۲/

تعداد طبع ——— ایک ہزار

مارچ سنہ ۱۹۴۴ء

مطبوعہ

رزاقی مشین پریس۔ حیدرآباد (دکن)

دیباچۂ طبع دوّم

آج سے ۱۰ سال قبل یوروپین شعرائے اُردو کا تذکرہ شایع کیا گیا تہا چونکہ اردو ادب میں یہ ایک نئی چیز تہی اس لئے قدر کی نظر سے دیکھی گئی اخبارات و رسائل کی جانب سے حوصلہ افزا تبصرے لکھے گئے۔ مشاہیر علم و ادب نے بہی بہت اچھی رائیں ظاہر کیں۔ اِس ہمّت افزائی نے مرتب کو اس موضوع پر مزید تحقیق و تلاش کا شوق دلایا۔ اس سلسلہ تلاش میں مزید یوروپین شعرائے اردو کے حالات اور انکا کلام دستیاب ہوا۔ اس کے بعد اس تذکرہ کے طبع دوم کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ یہ اڈیشن بہت کچھ اضافہ کے ساتہہ شائع کیا جارہا ہے۔ اُمید ہے کہ اہل علم پہلے سے زیادہ اس کی قدر فرمائینگے۔

محمد سردار علی

۷۸۱/
۲۶۶۹

دیباچہ طبع اوّل

سنہ ۱۴۹۸ء میں سب سے پہلے اہل یورپ نے ساحل ہندوستان پر قدم رکھا یہ لوگ حکومت اور ملک گیری کے شوق وہوس میں نہیں بلکہ تجارت اور روپیہ پیدا کرنے کی غرض سے ہندوستان آئے یوروپین اقوام میں سب سے پہلے پرتگیز ہندستان آئے۔ پہلا یوروپین شخص جس نے ساحل ہندستان پر قدم رکھا وہ واسکوڈی گاما تھا جس کا جہاز اگست سنہ ۱۴۹۸ء میں ساحل کالیکٹ پہنچا۔ پرتگیزوں نے ہندستان میں تجارت کے ساتھہ ساتھہ مذہبی تبلیغ بھی شروع کی اور رفتہ رفتہ بڑا اقتدار حاصل کیا اور تھوڑی مدت میں ایک عظیم الشان تجارتی قوت قائم کرلی۔

اس کے بعد پرتگیزوں نے اپنی تجارتی قوت و اقتدار کے بل پر طرح طرح کے مظالم شروع کردئے ان کے ہولناک مناظر کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے۔ ان کی طوفان بے تمیزی سے ساری قوم بدنام ہوگئی۔

پرتگیزوں کی حکومت ہندوستان میں کچھ عرصہ تک شباب پر رہی، اس کے بعد اس کا خاتمہ ہوگیا اور ظالم حکومت کا جو انجام ہونا چاہیئے وہی ہوا۔ لیکن ہندوستان میں ان کے بعض آثار باقی رہ گئے اور اب تک باقی وقائم ہیں۔ ان کی بڑی یادگار وہ ہے جو وہ ہندستان کی زبانوں پر چھوڑ گئے ہیں۔

ہندستان کے ان مقامات میں جہاں یوروپین لوگوں کی آبادیاں تھیں وہاں دیسیوں کے ساتھ معاملات، کاروبار اور بات چیت میں ایک دوسرے کو اپنا مافی الضمیر سمجھانے کے لئے یوروپین باشندوں کو کچھ نہ کچھ دیسی بالیں سیکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ خود ہندوستانی زبانوں نے بھی پرتگالی اثر قبول کیا۔ اس طرح سے بہت سے پرتگالی الفاظ اردو میں شامل ہوگئے اسی طرح فرانسیسی اور ڈچ زبانوں کا بھی اردو زبان پر اثر پڑا۔ پرتگالی فرانسیسی اور ڈچ قوموں کے بعد انگریز ہندوستان آئے اور ایسے آئے کہ رفتہ رفتہ تمام ملک کے مالک بن گئے۔

یوروپین باشندوں کو زبان کی تحصیل کے بعد ان کو اس زبان میں کتابیں لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ یوروپین مصنفین کی اردو تصانیف و تالیفات اگرچہ ادبی حیثیت سے اہم نہیں ہیں لیکن تاریخی لحاظ سے وہ بہت کچھ قابل قدر ہیں۔

سترہویں صدی کے یوروپین سیاحوں نے اپنے سفرناموں اور خطوط میں اردو زبان کا ذکر کیا ہے لیکن اٹھارویں صدی سے یوروپینوں نے اردو

زبان کی طرف زیادہ توجہ کی۔ ہندوستانی صرف ونحو پر سب سے پہلے جان شوا کٹلر نے جو پروشیا کا باشندہ تہا لاطینی زبان میں ایک کتاب لکھی جسے ڈیوڈمل نے ۱۷۴۳ء میں شائع کی۔ اس کتاب کا سن تالیف ۱۷۱۵ء ہے یہ شخص ولندیزیوں کی جانب سے شاہ عالم (۱۷۰۸–۱۷۱۲) اور جہاندار شاہ (۱۷۱۲) کے دربار میں بھیجا گیا تہا۔ اس کے بعد وہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ناظم تجارت بنایا گیا۔ ۱۷۱۶ میں ایران چلا گیا۔ اس نے لاطینی میں اردو زبان کا لغت بہی لکھا ہے۔

کٹلر کی صرف نحو کی اشاعت کے ایک سال بعد مشتری شیلز کی اردو صرف نحو لاطینی زبان میں ۱۷۴۴ میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۷۷۲ میں ہیڈلے نے اردو کی صرف نحو شایع کی۔ ایک اور یوروپین نے اردو الفاظ کی ایک مختصر فرہنگ لکھی جس میں ایک دوسرے کے مقابل مترادف الفاظ درج کئے گئے ہیں۔ ۱۷۷۸ میں ایک اردو گرامر پرتگیزی زبان میں لزبن سے بہی شایع ہوئی۔

اس کے بعد سے یوروپین مصنفین کا دوسرا دور شروع ہوا۔ صرف نحو سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے دوسرے موضوعات کی طرف توجہ کی۔ ۱۷۷۳ میں فرگسن نے ہندوستانی زبان کی ایک لغت لکھی۔ ۱۷۸۷ کے بعد سے اردو کے بہت بڑے محسن ڈاکٹر گل کرائسٹ کی تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اردو زبان پر بہت سی قابل قدر کتابیں لکھی ہیں۔ جن کی انگریزی ہندوستانی لغت بہت مشہور رہے۔

گل کرائسٹ نے ۱۸۲۰ میں ایک اردو میگزین "رسالہ" کے نام سے شایع کیا تہا جس کے چند پرچے اس وقت امپریل ریکارڈ آفس کلکتہ میں محفوظ ہیں۔

یوروپین مصنفین نے جب لغت نویسی کی طرف توجہ کی تو اس سلسلہ میں بعض اچھے لغات لکھے گئے گلیڈون نے فارسی و ہندوستانی زبان کی ایک لغت لکھی جو ۱۸۰۹ء میں بمقام کلکتہ طبع ہوئی۔ مسٹر جان شیکسپیر کی اردو لغت ۱۸۱۷ میں طبع ہوئی۔ ڈنکن فاربس کی ہندوستانی لغت ۱۸۴۷ میں لندن میں چھپی۔ برٹرنیڈ نامی ایک فرانسیسی نے بھی ایک اردو لغت لکھی جو ۱۸۵۸ میں پیرس میں طبع ہوئی پلیٹ اور برانس کی اردو لغات بہی مشہور ہیں۔ اسی زمانہ میں ڈاکٹر فیلن نے اردو کی کئی لغات لکھیں۔ ان کی ہندستانی انگریزی لغت بہت مشہور ہے۔ اہل زبان کی بعض اردو لغات بہی ڈاکٹر فیلس کی اسی لغت سے ماخوذ ہیں۔

اردو زبان کا عاشق اور اردو ادب و تاریخ کا سب سے بڑا یوروپین پرستار ایک فرانسیسی ہے جس کا نام گارساں دتاسی ہے۔ اگرچہ وہ ہندوستان کی کئی زبانیں جانتا تھا لیکن اردو زبان سے اس کو عشق تہا۔ ہر جگہ اور ہر مجلس میں وہ اردو زبان کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اردو زبان میں فخر کے ساتھ خط و کتابت کرتا تھا۔ اس کے اردو خطوط پیرس کی نیشنل لائبریری میں محفوظ ہیں۔ گارسان دتاسی ہر سال اردو علم و ادب کے ارتقا اور تاریخ پر لکچر دیا کرتا تھا یہ لکچرز بہت دلچسپ اور پر از معلومات ہیں۔ اس نے بہت سی اردو کتابوں کے فرانسیسی ترجمے بہی شایع کئے اور اپنے ملک و قوم کو اردو تصانیف

سے روشناس کرایا۔

تاسی کی بہترین تالیف تذکرہ شعرائے اردو ہے جو تین جلدوں میں بزبان فرانسیسی شائع ہوا ہے۔ اس میں تقریباً تین ہزار اردو ہندی شعرأ و مصنفین کے حالات درج ہیں۔ منشی کریم الدین کا مشہور تذکرہ طبقات الشعرأ اسی تاریخ کا ملخص آزاد ترجمہ ہے۔

انگریزوں نے اردو زبان پر یہ احسان عظیم کیا کہ ہندوستان کے سول اور فوجی یوروپین افسروں کی مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لئے مارکوئس آف ویلزلی گورنر جنرل ہندستان کی سرپرستی میں بمقام فورٹ ولیم کلکتہ ایک کالج قائم کیا ڈاکٹر گل کرائسٹ اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا فرض اس خوبی و سرگرمی کے ساتھ ادا کیا کہ اردو زبان کو ہمیشہ کے لئے ممنون احسان بنا لیا۔

انگریزوں کا اردو پر یہ بھی احسان ہے کہ ۱۸۴۶ میں جب فارسی زبان سرکاری دفاتر سے متروک ہو گئی تو اس کی جانشینی کے لئے اردو کو منتخب کیا گیا۔ حکومت کی نظر میں ہندوستان کی زبانوں میں سوائے اردو کے کوئی دوسری زبان اس قابل نہیں سمجھی گئی کہ سرکاری دفاتر کی زبان بن سکے۔ صدر عدالت دیوانی سے حکم نافذ کیا گیا کہ تمام ماتحت عدالتوں میں اردو زبان کو رواج دیا جائے اردو تصانیف پر انعامات مقرر ہوئے مدارس میں اردو کی تعلیم شروع کی گئی۔ اردو زبان کے ساتھ انگریزوں کی دلچسپی اس واقعہ سے بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ آج سے تقریباً پچاس ساٹھ سال پیشتر جو اردو اخبارات صوبہ

متحدہ اور پنجاب سے شائع ہوتے تھے نصف یا تہائی کے قریب ان کے خریدار انگریز ہوتے تھے۔

خود ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصر ہند کو بھی اردو سیکھنے کا شوق ہوا۔ آگرہ کے مولوی برکت اللہ صاحب ملکہ کو اردو پڑھانے کے لئے لندن بھیجے گئے۔ ملکہ نے تھوڑے عرصہ میں اس قدر اردو سیکھ لی کہ آپ اپنا روزنامچہ اردو میں لکھا کرتی تھیں۔

یہاں تک تو نثر اردو کا تذکرہ تھا نظم کے متعلق باوجود کوشش و تحقیق کے اس بات کا پتہ نہیں چل سکا کہ اہل یورپ میں اردو کا سب سے پہلا شاعر کون ہے لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کے یوروپین باشندوں میں اردو شعر کا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ اس زمانہ میں اردو شاعری شباب پر تھی۔ گھر گھر شعر و سخن کے چرچے تھے اور جا بجا مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ یوروپین باشندوں اور ہندوستانیوں میں مخلصانہ تعلقات کے باعث اکثر اہل یورپ مسلمانوں کی مجلسوں اور صحبتوں میں شریک رہا کرتے تھے۔ غالباً اسی میل جول سے اہل یورپ میں شعر و شاعری کا مذاق پیدا ہوا اور شعر کہنا شروع کیا۔

اسی تذکرہ میں جن یوروپین شعرائے اردو کے حالات درج ہیں ان میں بعض اردو کے بہت اچھے اور صاحب دیوان شاعر ہیں۔ کئی اصناف سخن میں ان کا کلام پایا جاتا ہے۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ تذکرہ اپنی قسم کا پہلا تذکرہ ہے ۔ اس سے قبل اردو زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی البتہ بعض مشہور یوروپین شعراء اردو پر منتشر مضامین ضرور شایع ہوئے ہیں۔

اس تذکرہ کی تالیف و ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کے نام بعنوان "ماخذ تالیف" درج کئے گئے ہیں۔

حیدرآباد دکن
یکم ربیع الاول سنہ ۱۳۴۴ھ

محمد سردار علی

ماخذ تالیف

(۱) طبقات الشعراء از منشی کریم الدین مطبوعہ دہلی ۱۸۴۸ء
(۲) گلشن بیخار از نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ
(۳) سخن شعراء از عبدالغفور خاں نساخ
(۴) خمخانۂ جاوید از لالہ سری رام ام۔ اے
(۵) انتخاب یادگار از منشی امیر احمد مینائی
(۶) یادگار ضیغم از محمد عبداللہ خاں ضیغم
(۷) تذکرہ فرح بخش از نواب یار محمد خاں
(۸) گلستان بے خزاں از حکیم قطب الدین خاں باطن
(۹) خطبات گارساں دتاسی
(۱۰) انتخاب دواوین از سید فضل الحسن حسرت موہانی
(۱۱) سراپا سخن از سید محسن علی بیخود
(۱۲) شبستان عالمگیری مرتبہ عالمگیر محمد خاں محمود
(۱۳) ادبی دنیا لاہور ۱۹۳۷ء
(۱۴) رسالہ اردو (انجمن ترقی ہند)

یورپین شعرائے اردو

آزاد الکزینڈر ہیڈرلی نام تخلص آزاد تہا۔ باپ کا نام جیمس ہیڈرلی تہا ان کے خاندانی حالات کا پتہ نہیں چل سکا البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ ان کے والد انیسویں صدی میں کے اوائل میں دہلی آئے تھے۔ الکزینڈر ہیڈرلی کے باپ نے مسلمان عورت سے شادی کرلی تھی جس کی وجہہ ہندستانی معاشرت اختیار کی۔ آزاد کی پرورش وتربیت بہی اسلامی طرز پر ہوئی اور مسلمانوں کی صحبت نے اُن میں شعرو سخن کا ذوق پیدا کر دیا تھا۔ آزاد اٹہارہ سال کی عمر میں شعر کہنے لگے۔ چونکہ فطرتاً ان کو شاعری کا مذاق تہا اس لئے بہت جلد ان کے کلام کی شہرت ہوگئی۔ ان کے پاس بہت سے شعراء کا مجمع رہا کرتا تھا۔ آزاد نواب زین العابدین خاں عارف[1] دہلوی کے شاگرد تھے اور کبھی کبھی مرزا غالب

---

[1] نواب زین العابدین خاں عارف دہلوی خلف نواب غلام حسین خان تخلص سرور شاگرد

سے بھی بذریعہ خط و کتابت اصلاح لیا کرتے تھے آزاد نے اپنے استاد عارف کی تعریف میں ایک قصیدہ اور ماتم میں ایک مرثیہ معہ تاریخ وفات لکھا ہے جو ان کے دیوان میں موجود ہے۔

آزاد کو فن طب میں بھی پوری دستگاہ تھی اور خصوصاً امراض کہنہ کے علاج میں بہت مشہور تھے۔ کہتے ہیں کہ مریضوں کو دوائیں بھی اپنے پاس سے مفت دیا کرتے تھے جس کی وجہہ ان کی فیاضی کی شہرت بہت دور تک پہنچی تھی۔ اس فیاضی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا تمام سرمایۂ زندگی ختم ہو گیا مجبوراً ان کو ملازمت اختیار کرنی پڑی ریاست الور میں انکو توپ خانہ کی کپتانی مل گئی لیکن ملازمت اختیار کرنے کے ایک سال کے اندر ہی عالم شباب میں وفات پائی۔ تاریخ وفات ۲۷ جولائی سنہ ۱۸۶۱ء (۱۲۷۸ھ) ہے آزاد نے ۳۲ برس کی عمر میں انتقال کیا اس حساب سے ان کا سن ولادت ۱۸۲۹ء ہونا چاہیئے۔

چونکہ آزاد فطرتاً ذوق شاعری اور ہمہ گیر طبیعت رکھتے تھے اس لئے انہوں نے ہر صنف کلام پر خوب طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کے کلام میں مضامین کی لطافت، الفاظ کی تلاش اور محاورات کی ترکیب قابل داد ہے۔ آپنے نئے اسلوب پر تشبیہیں اور استعارے استعمال کئے ہیں زبان بالکل صاف اور روانی بیاں پختہ کار شاعر ہونے کی دلیل ہے۔

٭ شاہ نصیر و مرزا غالب۔ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) میں انتقال کیا۔ صاحب دیوان ہیں۔

الکزینڈر ہیڈرلی آزاد کے سوا کبھی کبھی الک تخلص بھی استعمال کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ الک الکزینڈر کا مخفف ہے۔

آزاد کی وفات کے بعد ان کے بڑے بھائی تھامس ہیڈرلی نے جو ریاست بھرت پور میں ڈپٹی تھے اپنے بھائی آزاد کے عزیز دوست میر شوکت علی فتحپوری کی مدد سے آزاد کا کلام جمع کر کے ترتیب دیا اور ۱۸۶۳ء (۱۲۷۹ھ) میں مطبع احمدی آگرہ میں طبع کراکر شائع کیا۔ دیوان میں دو دیباچے ہیں۔ ایک فارسی دوسرا اردو۔ اول الذکر دیباچہ منشی شوکت علی صاحب فتح پوری نے لکھا ہے اور ثانی الذکر مختصر دیباچہ آزاد کے بڑے بھائی تھامس ہیڈرلی نے۔ دیباچہ کی زبان بہت صاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کے بڑے بھائی تھامس ہیڈرلی بھی اردو کے اچھے انشاپرداز تھے۔

جب نواب سرور الملک مرحوم کی خود نوشت سوانح عمری کارنامہ سروری کے نام سے شائع ہوئی تو آزاد کے متعلق یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ غدر کے بعد آزاد نے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنا نام جان محمد رکھا تھا۔ یہ اہم انکشاف کارنامہ سروری کے حاشیہ صفحہ ۴۹ میں درج ہے۔

آزاد کے دیوان میں قصائد، غزلیات، منظوم خطوط، تاریخی قطعات اور تضمین ہیں اور صفحے ۱۷۵ ہیں۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

نہ ہے وحدت وہی دیر و حرم میں جلوہ آرا ہے ٭ ازل سے محو ہوں جس کے جمال حیرت افزا کا

میری صورت سب کہے دیتی ہی میرا راز دل
میرے تیور دیکھ کر وہ مجھ سے بد ظن ہوگیا

سوزش دل نے الٰہی کونسی کی تہی کمی
جو جلانے کو میرے داغ جگر پیدا ہوا

تمام عمر رہا میں سبھوں سے بیگانہ
رہا میں اس پہ بہی غربت میں گو وطن میں رہا
حریص مایۂ ہستی تہا کس قدر آزاد
تمام عمر تلاش معاش میں رہا

صبح تک سب جاگتے ہیں شب کو سو سکتا ہی کون
نالہ پر شور سے ہے میرے گھر گھر رت جگا

بزم میں اُٹھتے ہی انکے روئے روشن سی نقاب
جام مئے سورج بنا مہتاب مینا بن گیا

آتا ہے نظر خانہ صیاد گلستاں
جانے کا کہاں قصد کریں ہو کے رہا ہم
ہنگام سحر بادہ گساری کا مزہ ہے
اوقات کریں اپنی تلف بہر دعا ہم

نوید اے دل کہ رفتہ رفتہ گیا ہے اس کا حجاب آدہا
ہزار مشکل سے بارے رخ پر سے اس نے الٹا نقاب آدہا
خدا کی قدرت ہے ورنہ آزاد میرا اور ان بتوں کا جھگڑا
نہ ہوگا فیصل تمام دن میں مگر بروز حساب آدہا

میں نہ کہتا تھا کہ دیگا صفا یہ منہہ پر حجاب — دیکھنا تم دیکھنا مت انجمن میں آئینہ

عیاں ہے سب میں کہاں ہے مخفی کب اس کا جلوہ نقاب میں ہے
قصور اپنی نگاہ کا ہے وگرنہ کب وہ حجاب میں ہے

نہ دے جو بوسہ گیسو نہ دے جواب تو دے — بلا سے جو تجھے دنیا ہو دے شتاب تو دے

اس لئے اس طرح یکایک جو بگاڑی ہم سے — کچھ نہ کچھ بات رقیبوں نے بنائی ہو گی

اے اہل دید دیکھ تو آنکھوں سے کیا ہے آج — میں کیا کہوں کہ دہر میں کیا ہو رہا ہے آج
اے بیکسی کٹے گی میری عمر کس طرح — جو میرا جاں نواز تھا سو مر گیا ہے آج
اے جذب اتحاد یہی ہے مدد کا وقت — وہ غم میں مجھ کو چھوڑ کے تنہا چلا ہے آج

کب دیکھ کے ڈرتے ہیں تیری زلف دوتا ہم — گر ایک بلا وہ ہے تو ہیں ایک بلا ہم
تقدیر پہ شاکر رہے راضی برضا ہم — اب کس کی شکایت کریں اور کس کا گلا ہم

محفل سے ترے اُٹھائینگے ہم — یوں غیر کا دل بٹھائینگے ہم

ہو کے خاک عالم میں تیرے کشتگاں پھرنے لگے — مصر میں جیسے غبار کارواں پھرنے لگے

۱۷

ہم ازل سی ہیں کسی کی آستاں کے جبہ ساں
ڈر نہیں ہم سی اگر اب آسماں پھرنے لگے

بارے خدا کے ہاں بھی تکلف قبول ہے
نیلی فلک پہ ڈالی ستاروں کی جھول ہے

پھرتا ہوں تنگنائے جہاں میں چھپا چھپا
طالع سے رستخیز کی طاقت نہیں مجھے
کیا خاک اشتہا ہو کہ جینے سے سیر ہوں
بے وجہہ فکر ترک معیشت نہیں مجھے

جس قدر روتے گئے رونا ہوا سوز جگر
آب اشک چشم گریاں سے روغن ہو گیا

بیکسی میں سخت مشکل ہے چھپانا راز کا
رنگ شاہد ہے شکست توبہ کی آواز کا

گریزاں کفر و دیں سی ہم رہے آزاد و عالم میں
نہ پہنچی ہاتھ تک تسبیح اور زنار گردن تک

جب سے پایا دشمنوں نے پاؤں کا میرے سراغ
سر کے بل جاتا ہوں تب سے کوئے جاناں کی طرف

کیا لطف ہے بے لطف ہو گر عیش تمہارا
محفل میں اگر مجھ سے نہ شرماؤ تو آؤ
کیا گھر میں تمہارے در و دیوار کو دیکھوں
تم اپنی جو صورت مجھے دکھلاؤ تو آؤ

آج دشمن اگر خراب نہیں
کیا زمانہ میں انقلاب نہیں

عقل سے باہر ہے میری تیرہ بختی کا بیاں ۔۔۔ سنگ موسیٰ ہو اگر یوں سنگ مرہا تھہ میں
تیرے دیوانے کے پیچھے کیا ہے لڑکوں کا ہجوم ۔۔۔ کچھ ہے پتھر جھولیوں میں کچھ ہیں پتھر ہاتھ میں

غالب ہے ناز ان کا ہمارے نیاز پر ۔۔۔ سو گالیاں ہمیشہ سنیں اک دعا کیسا تھ

وہ مکدر ہوا ہے دل اس کا ۔۔۔ کوئی صورت نہیں صفائی کی
ڈوب جانے میں کیا رہا باقی ۔۔۔ آپ سے جب کہ آشنائی کی

اسبق ۔ رابرٹ گارڈنر اسبق قصبہ ہرچھی ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے سن ولادت ۱۸۷۶ء ہے۔ اوائل عمر میں انکے والد فوت ہو گئے۔ اسبق کا ابتدائی زمانہ شنکر کی نگرانی میں گزرا۔ اس زمانہ میں شاعری کا شوق ہوا۔ شنکر کے والد فنا سے اصلاح لینے لگے۔ بعد میں مرزا عباس حسین ہوش لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ کچھ دن فیلکس گارڈنر فلک کو بھی اپنا کلام دکھاتے رہے۔ آپ نے ابتدا میں کئی تخلص اختیار کئے مثلاً نسیم شمیم اور شعاع بالآخر اسبق اختیار کیا۔ اسبق نے اپنے لئے مشن کی خدمت اختیار کی اور اپنی خدمت کے سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف مقامات میں پھرتے رہے۔ ہر جگہ ان کی شاعری کے چرچے ہونے لگے۔ اکثر مشاعروں میں ان کی غزلیں کامیاب رہتی تھیں۔ ۱۹۳۰ تک زندہ تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

جو طالب حق ہے اسے حیراں نہیں دیکھا ناحق کی کسی چیز کا خواہاں نہیں دیکھا

میں سہی مجنوں بھی دیوانہ بھی سودائی بھی ہوں مگر اے بت کافر ترا شیدائی بھی
جھوٹ بولا کئے کہا یا کئے جھوٹی قسمیں سچ بھی بولے کبھی پر سچ تم نے قسم کھائی بھی
ان کے آنے سے فقط ہوش و خرد ہی گئے ساتھ ہی انکے گئی قوت گویائی بھی
ان کی تصویر کو چھاتی سے لگا رکھا ہے وصل کی شب سے نہیں کم شب تنہائی بھی
نام بھولے سے نہ تم عشق کا لینا اسبق اس میں خفت بھی ہے ذلت بھی ہے رسوائی بھی

پھر بہار آتے ہی زخم دل ہرا ہو جائے گا ہو گی پھر وحشت نئی سودا نیا ہو جائے گا

عدو کی بات رہے امتحاں میں یا میری مقابلہ میں محبت تو آزما میری
ادھر تو یار کھڑا ہے ادھر قضا میری عجب عذاب میں ہے جان مبتلا میری
حضور یار برابر ہو گر خطا میری سزا جو چور کی ہوتی ہے وہ سزا میری

خود گلے لپٹائیں جا کر یہ تمنا دل میں ہے دیکھ تو لیں کتنا دم اس خنجر قاتل میں ہے
جان اک پردہ نشیں کے عشق سے مشکل میں ہے لا نہیں سکتے زباں پر جو ہمارے دل میں ہے
مجھ سے کہتے ہیں کہ اٹھ جا اور نہ آنا پھر کبھی تو ہی رنجش کا سبب اسبق مری محفل میں ہے

بچپنے ہی سے جو زلف انکی سنبھالی جائیگی سر جوانی میں کسی عاشق کے ڈالی جائیگی

جب کہا میں نے قسم کھاؤ تو بولے ہنس کے وہ　　گر قسم ہے چیز کھانے کی تو کھائی جائیگی

صبر رخصت ہو گیا غم آکے مہماں ہو گیا　　دل کا آنا ہی غضب اے جان جاناں ہو گیا

قصد ہی جانب دل گر ترے پیکانوں کا　　شوق سے آئیں یہ گھر ہے انہیں مہمانوں کا
جب ملے دونوں تو فرہاد سے مجنوں نے کہا　　تو پہاڑوں کا ہی مالک میں بیابانوں کا
جب سے اے جان کیا وصل کا وعدہ تم نے　　ہاتھ بہر کا ہے کلیجہ میرے ارمانوں کا

غزل کے علاوہ اسبق نے نظمیں قطعات اور سہرے بھی لکھے ہیں۔

اسفان – استیفن یا اسٹیونس نام اسفان تخلص ہے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ یوروپین تھے۔ ابتدائے عمر ہی سے اسفان کو اردو شاعری سے دلچسپی تھی اور ہمیشہ شعراء و علماء کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے اسفان کا سن پیدائش یا سن وفات معلوم نہ ہو سکا لیکن اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ ۱۸۰۲ء میں زندہ تھے خوب چند ذکا[1] نے ان کو اپنے خاص دوستوں میں شمار کیا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

خط کا یہ جواب آیا لکھا جو کبھی پھر خط　　کر ڈالوں گا اک دم میں ترے آن کے پرزے

---

[1] خوب چند ذکا نصیرالدین نصیر عرف کلو کے شاگرد تھے ان کی فرمائش پر عیار الشعراء کے نام سے اردو شعراء کا ایک تذکرہ لکھا ہے۔ ذکا نے ۱۸۴۶ میں وفات پائی۔

ادریس - ولیم گارڈنر نام ادریس تخلص تھا نمونہ کے لئے ایک شعر ملاحظہ ہو۔

آنکھہ تک آیا نہیں دل میں کہاں سے پہنچا کیا تصور نے نکالی ہے ترے راہ نئی

اسمتھ - اسمتھ کے حالات معلوم نہ ہو سکے البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ رامپور میں کمشنر کے عہدہ پر مامور تھے۔ اردو زبان میں کافی دستگاہ تھی۔ نمونہ کلام کے لئے ایک غزل کے چند شعر ملے ہیں۔ یہ غزل رامپور کے کسی مشاعرہ کے لئے لکھی تھی۔

نہ وہ ہمدم نہ وہ جل سار ہا ہے تب دوری سے دل جل سار ہا ہے
جنوں کی فوج کی سن آمد آمد خر و کا پاوں کچھہ چل سار ہا ہے
کسی عاشق کا نعرہ چرخ زن ہے جو خیمہ چرخ کا ہل سار ہا ہے
مجھے اس واسطے ہے تلملاہٹ کہ غم سینہ میں دل مل سار ہا ہے
غنیمت جان اسمتھہ آگیا ہے کہ دشمن اس سے اب ٹل سار ہا ہے

اشعار میں جنوں کی فوج، خیموں کا ہلنا اور دشمن کا ٹلنا صاف طور پر اسمتھ کے فوجی مشاغل کا پتہ دے رہے ہیں۔

اسیر - بلتھزر نام اسیر تخلص ہے۔ اردو کے اچھے شاعر اور شاہ نصیر دہلوی کے نامی شاگردوں میں تھے۔ ظفریاب خاں صاحب کے خاص دوست تھے۔ نہایت شجاع اور قوی تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

شمع فانوس میں درپردہ جلی ہے دیکھو شعلہ آہ نکالے ہے جگر سے باہر

ہم اس آئینہ رو کے ہجر میں یوں زیست کرتے ہیں
کہ سکتے کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

ایرن - ایرن جیکب نام ایرن تخلص ہے۔ گورکھپور میں سکونت پذیر تھے اردو شعر و سخن کے ساتھ ان کی طبیعت کو خاص لگاؤ تھا۔ ریاض خیرآبادی سے تلمذ تھا اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ترا تیر دل سے جُدا ہو رہا ہے یہ ظلم او کماندار کیا ہو رہا ہے
یہ کیا چپکے چپکے شکایت ہے اے دل خبردار کس کا گلہ ہو رہا ہے
لگی چوٹ ایرن کے دل پر یہ کیسی کہ ہر وقت ذکر خدا ہو رہا ہے

ہاتھ میں سبحہ ہے لب پر ہے ترا نام بتے بس یہی دین ہے میرا یہی ایمان ہے مرا

خبر اس نہیں کیا ہو گیا دل　　مگر یہ یاد ہے پہلو میں تہا دل

محبت سے رکھنے کے قابل یہی ہے　　حسین حسن پر مائل ہوں وہ دل یہی ہے
میرے بت سے اچھی سہی حور جنت　　مگر پیار کرنے کے قابل یہی ہے

نکلتی کس طرح ہی دیکھہ جائیں جان بسمل کی　　نظارہ ہو دم آخر برائے آرزو دل کی
ستم ایسا نہ کرائے باغبان فصل بہار نہیں　　گرائیں بجلیاں ایسا نہو آہیں عنا دل کی

ایلن کر سپجیا مرزا اسلیمان شکوہ گارڈنر کی چہوٹی بہن ایلن کر سپجیا عرف رقیہ بیگم بہی شاعر تھیں - بطور نمونہ ایک شعر درج ہے -

---

حشر کے روز جو خورشید نمایاں ہو گا　　ہے یقین دل کو وہ عکس رخ جاناں ہو گا

جمعیت مسز آر جیسٹن کا تخلص جمعیت تہا - ان کے شوہر میجر آر جیسٹن آگرہ میں رہتے تھے - جمعیت اردو فارسی بقدر ضرورت جانتی تھیں - نمونہ کلام یہ ہے -

---

روٹھا ہے ہمارا جو وہ دلبر کئی دن سے　　اس واسطے رہتی ہوں میں مضطر کئی دن سے

مقسوم کی خوبی ہے یہ قسمت کا ہے احساں ۔ رہتا ہے خفا مجھ سے جو دلبر کئی دن سے

خدا کے روبرو جانا ندامت مجھ کو بھاری ہے ۔ کوئی نیکی نہ بن آئی اسی کی شرمساری ہے

خفی - خفی تخلص بلیک صاحب بہادر کی دختر تھیں ۔ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا نمونہ کلام یہ ہے ۔

جن سے ہم آشنائی کرتے ہیں ۔ ہم سے وہ بیوفائی کرتے ہیں
اے خفی اپنے اشک بے تاثیر ۔ مفت میں جگ ہنسائی کرتے ہیں

خود شوق اسیری سے پھنسے دام میں صیاد ۔ شرمندہ ترے ایک بھی دانہ کے نہیں ہم

ڈائس سومبر - ڈائس سومبر کے باپ کا نام جارج اے ۔ ڈائس تھا ڈائس سومبر کو بیگم شمرو (وفات ۱۸۳۶ء) نے گود لیا تھا بیگم کے مرنے کے بعد ڈائس سومبر تمام اسٹیٹ کے مالک قرار پائے لیکن بعد میں ان کو حقوق ملکی سے محروم کر دیا گیا جس کے لئے وہ آخر دم تک لڑتے رہے ۔ انکی تعلیم دہلی کالج میں ہوئی تھی ۔ فارسی بہت اچھی تھی اسلامی ادب سے ان کو خاص دلچسپی تھی ۔ اردو بہت صاف اور فصیح بولتے تھے ۔ شعر بلا تکلف کہا کرتے تھے ۔ نمونہ کے لئے کسی تذکرہ

میں انکا ایک شعر بھی نہیں ملا۔ صرف حالات پر اکتفا کرنا پڑا۔ بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ڈائس سومبر جب انگلستان گئے تو جو کچھ اپنا اردو کلام تھا ساتھ لیتے گئے اور پھر انگلستان سے واپس نہیں آئے۔

ڈی کاسٹا۔

ڈی کاسٹا انگریز شعرائے اردو میں بہت اچھے شاعر تھے کلکتہ میں رہتے تھے۔ اُردو فارسی میں شعر کہتے تھے۔ ان کی غزلیں اس وقت کے اخبارات میں شایع ہوتی تھیں۔ ڈی کاسٹا کا تعلق ڈیوٹن کالج کلکتہ سے تھا۔ ۱۸۸۶ء میں جب ڈاکٹر ڈبلیو چیمبرس نے انگلو انڈین اسیوسی ایشن قائم کرنے کی کوشش کی تو ڈی کاسٹا نے اس خصوص میں قابل لحاظ حصہ لیا۔ معلوم نہیں ہوا کہ ڈی کاسٹا شاعری میں کس کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کل ہم تمہارے کوچہ میں آئے چلے گئے
ہے ہے ہزار اشک بہائے چلے گئے

کچھ رنج و غم کا حال نہ پوچھو کہ کیا ہوا
الفت کو ہم تو یار و نبھائے چلے گئے

کل اس پری کے بزم میں سب مل کے برملا
تیری غزل ڈی کاسٹا گائے چلے گئے

ہو رسائی مجھے گر تا بکنارِ دامن
صفحہ دل پہ کروں ثبت بہارِ دامن

ہے نزاکت یہ کمر میں کہ کروں کیا تشریح
ہو دونا گر پڑے اس پر کہیں بارِ دامن

کیوں نہ ڈی کاسٹا ہوں مانی و بہزاد حیرا
اس نگارین کا گر دیکھے نگارِ دامن

حال شیشہ سے جو واقف کبھی خارا ہوتا | سنگ دل نرم صنم تب یہ تمھارا ہوتا
مانگتے تم سے دوا ہم نہ کبھی ای پیارے | مرض ہجر کا جز وصل جو چارا ہوتا
دل پراگندہ غم ہجر سے ہوتا نہ کبھی | بر میں ڈی کاسٹا کے گر وہ دلآرا ہوتا

شکر۔ ڈانیال سقراطیس تھنل گارڈنر نام شکر تخلص ہے۔ ان کے بزرگوار سرکار انگریزی میں معزز عہدوں پر کارگزار تھے۔ نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھے ۔ مرزا عباس حسین ہوش لکھنوی کے شاگرد تھے۔ آپ کا کلام اس زمانہ کے گلدستوں میں شایع ہوتا تھا۔ شکر نے ۵۵ سال کی عمر میں ۱۹۰۷ میں وفات پائی۔ نمونہ کلام یہ ہے

زمیں ہے اس جگہ نے آسماں ہے | تعالی اللہ کہاں اپنا مکاں ہے
زمین و آسماں کے درمیاں ہے | معلق مرغ دل کا آشیاں ہے
اٹھالوں کوہ غم مثل پر کاہ | مگر سر دوش پر بار گراں ہے
ہوا گردش سے ثابت بعد تحقیق | زمیں کہتے ہیں جس کو آسماں ہے
لحد میں کیوں ٹھکے اے جانے والو | عدم کی راہ میں منزل کہاں ہے
یہ بجلی تیرے دانتوں کا ہے پرتو | یہ بادل میری آہوں کا دھواں ہے

ل؎ مرزا عباس حسین ہوش لکھنو کے رہنے والے تھے آفتاب الدولہ ارشد علی خاں قلق لکھنوی کے شاگرد تھے۔

دعائیں ہوئیں کارگر رفتہ رفتہ
ہوا مدتوں میں اثر رفتہ رفتہ

تڑپتے تڑپتے شب غم کٹی ہے
ہوئی ہے خوشی کی سحر رفتہ رفتہ

بلا آ نہ جائے کہیں میرے سر پر
چلی زلف پھرتا کمر رفتہ رفتہ

نہیں سُرخ آنسو یہ رک رک کے آتے
نکلتے ہیں لخت جگر رفتہ رفتہ

کیا اعتبار زندگی مستعار کا
ہو کیا قرار ہستی ناپائیدار کا

کیا خوف دل کو ہو میرے روز شمار کا
ہوں معتقد میں رحمت پروردگار کا

جینا ہوا محال ترے جاں نثار کا
اے صبر ہاتھ ٹوٹ گیا اختیار کا

اے گل شگفتگی تری کیا آنکھ میں سمائے
عالم نظر میں ہے لبِ خنداں یار کا

مضمون آتشیں سے کبوتر کے پر جلیں
لیجائے نامہ کون ترے بے قرار کا

رتبہ ہے خاکساروں کا مرنے پہ بھی بلند
گنبد بنا ہے قبر پہ دل کے غبار کا

تم بھی اسی طرح سے جگر میں ہو جانشیں
جیسے نہاں انار میں دانہ انار کا

پہنچا ہے بعد مرگ فلک پر میرا غبار
رتبہ بلند خلق میں ہے خاکسار کا

چشم غزال نے مجھے وحشی بنایا شکر
نقشہ جو یاد آیا مجھے چشم یار کا

بے خودی تھی نہ ہوش تھا تن کا
ہائے کیا وقت تھا لڑکپن کا

سامنا کرتے تھے تہمتن کا
ہائے کیا وقت تھا لڑکپن کا

دل سنبھل جائے ہاتھ آئے اگر
ایک تعویذ تیرے جوشن کا

نہیں زلفیں یہ ڈسنے کو میرے
جوڑا پالا ہے اِس نے ناگن کا

قبر سے شکر جی اُٹھے مردے　　سُم جو لگ جائے اس کے توسن کا

جلوہ عارض اگر زیر نقاب آیا تو کیا　　منہ پہ لیکر چاند دامان سحاب آیا تو کیا

گل نہ ہو جائے کہیں شمس و قمر کی بتی　　دیکھو سر کی میرے ناسور جگر کی بتی
ہمدمو ہو کے لہو دل میرا بہ جائے گا　　ہٹ گئی گر میرے ناسور جگر کی بتی
آتش عشق سے تن پھک کے ہوا خاک کا ڈھیر　　مشتعل ہے رگ جاں جیسے اگر کی بتی
آشنائی کا کیا شکر ادا حق اس نے　　تا بہ چہلم میرے بالیں سے نہ سر کی بتی

شکر کسی قدر مذاق پسند آدمی تھے کسی لالہ کی بھینس مر گئی تو آپ نے اس پر ایک مرثیہ لکھا جس کے دو بند یہ ہیں۔

بڑھے دل کی کیونکر نہ اب بیقراری　　جو مر جائے یوں بھینس لالہ تمہاری
وہ عمر اپنی لائی تھی اتنی بچاری　　ستم کر گئی جو عدم کو سدھاری
کہوں کیا جو مجھ کو ہوا رنج و غم ہے
یہ سچ ہے کہ تم سے زیادہ الم ہے

تعجب ہے کس واسطے مر گئی وہ　　یہی سوچتا ہوں کہ کیا کر گئی وہ
خفا ہو گئی دل میں یا ڈر گئی وہ　　جو اس طرح سر پھوڑ کر مر گئی وہ
میرے تن پہ دہشت سے آیا پسینہ
سُنا جبکہ ٹکر سے توڑا ہے زینہ

راجہ دلسکھہ رائے بہادران کے علاقہ کے پٹواری تھے۔ شکر نے ان کے مرنے پر حسب ذیل تاریخ لکھی ہے۔

راجہ دلسکھہ رائے کے مرنیکے بعد
ہر زباں پر لفظ یہ جاری ہوئے
تھے بڑے منحوس جانے کیا ہوا
حاکم اعراف یا ناری ہوئے
ان کے مرنے کی لکھوں تاریخ کیا
اس تردد میں بہت عاری ہوئے
ملہم غیبی نے شب کو ناگہاں
دی صدا۔ دوزخ کے پٹواری ہوئے

شایق - جان فانٹم نام شایق تخلص تھا۔ ان کے والد جارج فانٹم فرانسیسی تھے۔ شایق فنون سپاہ گری میں طاق تھے۔ مختلف فوجی عہدوں پر مامور رہے۔ ان کے والد کا توسل دربار رامپور سے تھا اس لئے ان کی نشو ونما بھی وہیں ہوئی۔ اردو فارسی کی تعلیم بھی رامپور ہی میں پائی آخر عمر بھرت پور میں گزاری اور وہیں ۱۸۴۶ء میں فوت ہوئے۔ نمونہ کے لئے ایک شعر درج کیا جاتا ہے۔

کیا کیا جفائیں ہم نے سہیں تیرے واسطے
جور رقیب منت درباں وطنز غیر

شایق - جارج فانٹوم نام جانی صاحب عرف شایق تخلص تھا۔ ان کا خاندان ایک عرصہ سے دہلی میں سکونت

پذیر ہونے کی وجہہ سے ان کی معاشرت ہندستانی تھی اردو پر اچھا عبور تھا۔ ۱۸۸۰ تک زندہ تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہم نے دل سو جگہ لگا دیکھا　　کوئی تجھسا نہ دلربا دیکھا
کان رکھہ کر سنا نہ اس گل نے　　حال دل بارہا سنا دیکھا

گر نہ پہنو ماتم عاشق میں پوشاک سیاہ　　سرمگیں آنکھوں سی دو آنسو بہانا چاہیئے

اسقدر رنجش نہ تجھ کو میرے جانی چاہیئے　　ہر گھڑی ہر لحظہ مجھہ پر مہربانی چاہیئے
کہنے سے اغیار کے گر تم ہوئے مجھہ پر خفا　　سخت بیجا ہے نہ ایسی بدگمانی چاہیئے

شور۔ جارج بیش (یا برنس) نام شور تخلص تہا۔ ۱۸۲۳ء میں بمقام علیگڈھ پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی ان کے والد خاص یورپین تھے۔ شور میرٹھ میں بہ زمرہ پولس ملازم ہوئے چند روز بعد ترک ملازمت کر کے اپنے نانا فراسو کوہن کے پاس آگرہ چلے آئے۔ فراسو ایک خوشحال اور متمول جاگیردار تھے۔ شور کو اپنے پاس بہت اچھی طرح رکہا۔ ان کی شادی دہوم دہام سے کی۔

یہ نہیں معلوم ہوا کہ شور نے کب سے اردو شعر کہنا شروع کیا اور کس کے شاگرد تہے تذکروں سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شور بہت پر گو

شاعر تھے۔ روزانہ ایک دو غزلیں لکھا کرتے تھے۔ منشی کریم الدین[1] طبقات الشعراء میں لکھتے ہیں کہ ۱۸۴۴ میں میرے مکان پر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ ان مشاعروں میں پڑھنے کے لئے شور برابر اپنی غزلیں بھیجا کرتے تھے۔

شور کے پانچ دیوان اور دو مثنویاں اردو اور ایک دیوان فارسی ہے جس کا نام گلشن فرنگ ہے۔ پہلا دیوان ممتاز المطابع میرٹھ میں چھپا ہے سن طبع ۱۸۷۸ ہے۔ پانچواں دیوان ۱۸۹۰ میں مطبع جگت پرکاش میرٹھ میں طبع ہوا ہے ضخامت ۲۵۲ صفحات۔ اس دیوان کا نام ستارہ شور ہے یہ دیوان آفتاب داغ و گلزار داغ کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ داغ کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں۔

شور کے کلام میں کوئی خاص بات نہیں البتہ مثنوی میں مثنوی کی ساری خوبیاں موجود ہیں۔ مثنوی میں غدر کا حال بہت عمدگی سے لکھا ہے۔ جن جن شہروں کی سیاحت کی ہے وہاں کے حالات قلمبند کئے ہیں وہاں کی عمارتوں اور روساء و مشاہیر کا حال لکھا ہے۔ شور نے ۱۸۹۴ میں وفات پائی۔

سر جس طرف جھکایا وہی سجدہ گاہ تھا ‏ ‏ ‏ دیر و حرم میں تو نہ دے ترجیح زاہدا

---

[1] منشی کریم الدین پانی پت کے رہنے والے تھے ۱۸۵۲ میں ان کی عمر ۵۹ سال کی تھی۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کا تذکرہ شعرائے اردو بہت مشہور ہے۔

حاضر تھا اپنی جان سے ایسا ترا مریض — دیکھے سے جس کی حالت عیسیٰ تباہ تھی
بل بے یہ بیخودی کہ خودی سے بہلا دیا — ورنہ یہ زیست مرگ کی اپنی گواہ تھا

غیر کے ساتھ عیادت کو وہ لیکر آیا — تو مسیحا ملک الموت کو لے کر آیا
ہچکیاں آئیں کیا یاد کسی نے مجھ کو — غیر سے ذکر میرا آج مقرر آیا

جلوہ یہ طور کا مجھے کس نے دکھا دیا — بیخود جو دم میں صورت موسیٰ بنا دیا
دل میں الم ہے جان میں حسرت ہے تن میں ضعف — سب کچھ ہے تیرے عشق میں اللہ کا دیا

شرم و حجاب ہی میں شب وصل کٹ گئی — ان کی زباں پہ تا سحر انکار ہی رہا

مثنوی کا نمونہ —— سبب تالیف میں لکھتے ہیں۔

کہا دوستوں نے کہ اے شور یار — ہیں مشہور دیواں ترے تین چار
تخلص ہے شور اور ہے شیریں کلام — ہے شیریں کلامی بھی مشہور عام
فرنگی تجھے کہتا ہے اک جہاں — پر اس قوم کی یہ زباں ہے کہاں
کہاں سے تو لایا یہ شیریں کلام — اور اس [illegible] رکھا شور بھرا اپنا نام
پر اک بات کی اب کمی ہے ذرا — کہ ہو جس سے دہ چند چرچہ ترا
وہ یہ ہے کہ اک مثنوی بھی ضرور — رقم کر کہ ہو جس سے سب کو سرور
کہ ہو عمر بھر کا ترے اس میں حال — عیاں جس سے ہوں تیرے سارے خیال

۱۸۵۷ء کے غدر دہلی کا حال۔

ہوا حال دہلی نہایت تباہ   لڑائی رہی رات دن پنج ماہ
نئی آفت اک قلعہ پر آگئی   خبر کالوں نے بادشاہ کی بھی لی
کیا کرتے تھے روز حیراں انہیں   پھر آخر کیا گھر سے ویراں انہیں
کہا شہر سے فتویٰ یہ تم دو ہمیں   فرنگی کا ہم قتل جائز کہیں
لگا مورچہ جب کہ دہلی کے پاس   اڑے سب تلنگوں کے ہوش و حواس
گھسے گورے کشمیری دروازہ سے   کیا حملہ سب نے ایک اندازہ سے
بہا پھر تو وہ خون کالوں کا واں   کہ بازار سب ہوگیا خون فشاں

مشاہیر دہلی کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں—

لکھوں شہر کے اب عمائد کا حال   کہ کیا کیا یہاں لوگ تھے بےمثال
تھے ایک مولوی یاں کے صدر الصدور   کہ ثانی نہ تھا ان کا نزدیک و دور
خدا نے انہیں رتبے اعلیٰ دئے   کہ مفتی عدالت میں بھی وہ ہوئے
تخلص تھا آزردہ شعر انتخاب   وہ دہلی میں شاعر بھی تھے لاجواب
نہ زندہ رہے ہائے صہبائی بھی   گئی غدر میں جاں یوں مفت ہی
گئے ان کے ہمراہ لخت جگر   مرے ساتھ سنتے ہیں دونو پسر
امیر ایسے نادر تھے یاں پنجہ کش   کہ صدہا جنہیں دیکھ ہوتے تھے غش
ہوئے ایسے دہلی میں یہ خوشنویس   ہراک پر تھے اس فن میں ہر طرح بیس
کرامت میں یکتا تھے اور باتمیز   وہ مشہور تھے شاہ عبدالعزیز
ہر ایک علم کے خوب عامل بھی تھے   ہراک فن میں وہ ہائے کامل بھی تھے

تھے اک اور یاں شہر میں شاہ پسند
بڑے نامی اور عمدہ تھے مہر کند

کہ بدرالدین مشہور تھا ان کا نام
ثناخواں تھے سب شہر میں خاص و عام

تھے اک کالے صاحب بھی یاں پر طبیب
ارسطو زماں اور عجیب و غریب

تھے شعرا بھی دہلی میں وہ بے مثال
کہ تھا شعر گوئی میں ان کو کمال

ہوئے نامور ایسے تھے ایک میر
کہ دیوان ان کے ہیں چھ بے نظیر

وہ اردو کے مشاق اور پیشوا
زباں ایسی پائی یہ کس نے بھلا

ہوئے میر حسن اور دہلی میں ایک
کہ سو میں تھے وہ ایک ہی مرد نیک

کہی مثنوی خوب وہ انتخاب
نہیں ہند میں پایا اس کا جواب

اور اک نامی کامی تھے شاہ نصیر
کہ جوں مہر و ماہ تھے وہ روشن ضمیر

فراسو بھی شاگرد ان کے ہوئے
تھے قوم فرنگی میں شاعر بڑے

تھے شاگرد اور اک جناب مشیر
انہیں مانتے تھے صغیر و کبیر

اور انکے تھے شاگرد کرسی نشیں
ولی عہد بھی ایک تھے خوش جبیں

ولی عہد کا شہرہ ہر جا ہوا
تخلص انہوں نے جو دارا کیا

مناجاتیں دارا کی ہیں بے نظیر
کہ پڑھتے ہیں ہر جا امیر و فقیر

اور اک تھے یہاں خواجہ میر درد
کہ دل ان کے قولوں سے ہوتا تھا سرد

بھرا درد سے ہے سراسر کلام
دوا دردمندوں کی ہے وہ تمام

ظفر بھی وہ شاعر ہوئے بے مثال
کسی بادشاہ کو نہ تھا یہ کمال

ہوئے اور دہلی میں اک میر سوز
جلے اور بھنے رہتے تھے شب و روز

وہ سوز نہاں ان کا تھا لا بیاں
زباں سے نکلتا تھا ہر دم دھواں

وہ غالب زمانہ میں یکتا ہوئے
کہ غالب ہر اک پر ہمیشہ رہے

ہوی فارسی ان کی وہ بے مثال
کہ فارس نے جانا انہیں با کمال

یہ مومن بھی شاعر وہ انسان تھے
جنہیں مانتے سب مسلمان تھے

یہ رمال بھی ایسے تھے انتخاب
حساب رمل جن کا تھا لاجواب

اور حکمت میں وہ تھی انہیں دستگاہ
ارسطو سمجھتا تھا پشت و پناہ

تھے شاطر بھی شطرنج کے اس قدر
دل و جاں گئے ہار ان سے بشر

ہوئے ذوق ایسے کہ تھا انکو فوق
کلاموں سے انکے رہا سب کو شوق

غرض موت کا سب نے چکھا مزا
خدا کو بقا اور آدم فنا

شوق پیٹرک گارڈنر نام شوق تخلص ہے۔ ۲۷ فبروری ۱۸۹۵ء کو کاسگنج ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے مختلف خدمات انجام دینے کے بعد پادری کی خدمت اختیار کی۔ بزرگوں کی فیض صحبت سے اردو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ شعر کہنا شروع کیا اپنے چچا اسیرؔ سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ایک ہے غیر ترے وصل سے جو شاد رہا
ایک ہم ہیں جو ترے ہجر میں ناشاد رہے

زندگی قید میں گزری ہوئے لب گور میں بند
نہ پس مرگ نہ ہم زیست میں آزاد رہے

ذبح کے وقت وہ لذت ہے کہ دل کہتا ہے
سر اسی طرح تہ زانوئے جلاد رہے

کر کے خوں خشک یہ اشعار کئے ہیں پیدا
تاکہ اے شوق مرے بعد یہ اولاد رہے

دنیا میں اے خدا کوئی تجھ سا غنی نہیں
داتا ہے سب کا دہن کی تجھے کچھ کمی نہیں

دیتا ہی ساری خلق کو ہر روز تو خورش
لیکن ترے خزانے میں کوئی کمی نہیں

گر ہوئے معتقد کوئی آئے ترے حضور
محروم ہو کے جائے یہ ممکن کبھی نہیں

اختیار بخشش عصیاں ہیں ترے ہاتھ میں
جس کو چاہے بخش دے تو مالک و مختار ہے

عشق عیسیٰ ہو گیا جب سے یہ حالت ہے مری
مست ہوں میں بادہ عرفاں سے دل سرشار ہے

کیا ہے نام ہم نے عاشق زلف دوتا ہو کر
ہوئے مشہور دنیا میں گرفتار بلا ہو کر

گھٹا جاتا ہی دم مرتا ہوں حالت جانکنی کی ہے
خیال زلف پیچاں دل میں آیا ہے قضا ہو کر

چھڑایا تو نے پیچھا دردسی غم سے مصیبت سے
قضا ممنون ہوں تیرا کہ تو آئی دوا ہو کر

شہید ناز کا کب خون چھپتا ہی چھپائے سے
ترے ہاتوں میں وہ ظاہر ہوا رنگ حنا ہو کر

بہت ہوں ناتواں کہتا ہی لیکن حوصلہ دل کا
اسی حالت سے ہوگا سامنا مقتل میں قاتل کا

شہزادہ مسیحی - شہزادہ مسیحی (کرسچین پرنس) نام شہزادہ تخلص تھا ان کے والد فرانسیسی تھے جو عہد اکبر شاہ میں ہندوستان آئے تھے۔ شہزادہ مسیحی رومن کیتھولک تھے۔ ۱۸۱۸ء میں کونسل بھوپال ریجنسی کے ممبر تھے۔ اردو زبان میں اچھی مہارت تھی شاعری کا ذوق اچھا تھا اور بہت پاکیزہ طبیعت پائی تھی۔ ان کے کلام کا کوئی نمونہ

دستیاب نہیں ہوا۔

صاحب۔ الویسیں رین ہارڈٹ نام صاحب تخلص تھا خطاب ظفریاب خاں مظفرالدولہ تھا اور اسی نام سے مشہور تھے۔ سردھنے کی مشہور بیگم شمرو[1] ملقب بہ زینت النساء کے فرزند تھے۔ مسلمانوں کا لباس پہنتے تھے اور انہیں کی طرز معاشرت اختیار کی تھی۔ شاعری کی بہت شہرت تھی۔ دہلی میں ان کے مکان پر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ شہر کے مشہور اور ممتاز شعرا ان مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے اعظم الدولہ نواب میر محمد خاں تخلص سرور[2] (شاگرد محمد جان بیگ سامی) بھی ان مشاعروں میں برابر شریک ہوتے تھے۔

صاحب خیراتی خاں دلسوز کے شاگرد تھے۔ علم موسیقی و مصوری میں بھی اچھا دخل رکھتے تھے۔ عالم شباب میں ۱۸۲۷ء میں وفات پائی۔ نمونہ

---

[1] بیگم شمرو عرف زینت النساء ایک عرب کی بیٹی تھی اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اور جنرل سومبر سے شادی کر لی تھی۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد وہ سردھنہ کی حکمراں بنی۔ اکثر یورپین شعرائے اردو کا دربار بیگم شمرو سے تعلق تھا خود بیگم ایک باکمال عورت تھی حکمرانی کی اہلیت کے علاوہ شعر و سخن کی بھی اچھی قابلیت رکھتی تھی۔ فارسی اردو لکھنے پڑھنے میں پوری مشاق تھی۔ اس کے فارسی مکتوبات ملتے ہیں۔ اس کا آخری وصیت نامہ بھی فارسی میں ہے۔

[2] نواب سرور نے عمدۃ المنتخبہ کے نام سے شعرائے اردو کا تذکرہ لکھا ہے۔ صاحب دیوان ہیں۔

کلام یہ ہے۔

بارے اب کچھ ہے بلند یہ ستارا اپنا　　نظر آیا مجھے شب بام پہ پیارا اپنا

یا اژدہا ہے فوج سکندر کے آس پاس　　ہے زلف حلقہ زن خط دلبر کے آس پاس

صاحب مسٹر جو ہانس نام صاحب تخلص تھا۔ شعر بہت اچھا کہتے تھے میر وزیر علی صبا[1] کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مجھ کو پہناتے ہو زنجیر یہ زنجیر عبث　　دیکھنا توڑ کے وحشت میں نکل جاؤں گا

صاحب جارج فانٹوم نام صاحب تخلص تھا۔ ان کے والد برنارڈ فانٹوم حیدر آباد دکن کی فرانسیسی فوج کے کپتان

---

* ۱۲۵۰ھ انتقال کیا[2] خیراتی خاں دلسوز قوم افغان دہلی میں رہتے تھے۔ جے پور میں وفات پائی

[1] میر وزیر علی صاحب صبا لکھنؤ میں پیدا ہوئے انکے والد کا نام میر بندہ علی ہے۔ خواجہ آتش کے نامی شاگردوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کا دیوان غنچہ آرزو کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۲۷۱ھ میں گھوڑے سے گر کر انتقال کیا۔

تھے۔ موسیو ریمو دکن کی فرانسیسی فوج کے افسر اعلیٰ ان کے رشتہ دار تھے۔ ۱۸۱۶ء میں پنشن لیکر اپنی بقیہ زندگی علاج معالجہ میں بسر کی۔ ان کے والد نے ۱۸۴۵ء میں وفات پائی۔

صاحب کا سن پیدائش معلوم نہیں ہوا لیکن اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ ۱۲۹۰ھ میں زندہ تھے۔ ان کا تعلق ریاست رامپور سے تھا حافظ شیرازی طالب مولوی محمد نورالاسلام اور مولوی محمد حفظ اللہ سے فارسی اور عربی کتابیں پڑھی تھیں شعر و سخن میں میر نجف علی شفقت[1] سے مشورہ لیتے تھے اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ صاحب کے علاوہ کبھی کبھی جرجیس بھی تخلص کرتے تھے۔ بنمونہ کلام یہ ہے۔

یہ آرزو ہی ترے آنے کی مجھے اے شوخ — کہ جھوٹے وعدوں پہ بھی انتظار باقی ہے

صبر — بر تھا لمیو گارڈنر نام صبر تخلص تھا۔ بہت پرگو شاعر تھے امیر مینائی سے تلمذ حاصل تھا۔ مذہبی خدمت کی سلسلہ میں ہندستان کے کئی مقامات کا دورہ کیا۔ یوروپین شاعر اسبق آپ کے بھائی تھے۔ ۲۰ جولائی ۱۹۳۳ء کو اپنے بھائی کے پاس بلند شہر میں وفات

---

[1] سید نجف علی شفقت ولد یار محمد شاہ درگاہی صاحب کے خلیفہ تھے۔ شاہ نصیر کے شاگرد رامپور میں سکونت تھی۔ ۱۲۷۱ھ میں بعمر ۶۶ سال انتقال کیا۔

بانیٔ صاحب دیوان تھے نمونہ کلام یہ ہے۔

زہے قسمت کلام پاک کا میں بھی مبشر ہوں — سلاطین جہاں سے کچھ نہیں رتبہ ہے کم میرا

خلوت میں مزا ملتا ہے اے صبر نرالا — آتا ہے عجب لطف مجھے یاد خدا میں

پہنو ایماں کی عبا صبر یہ وہ جامہ ہے — نہ پھٹے تن پہ نہ اترے کبھی میلا ہو کر

ولولے تھے وہ سب جوانی کے — اب وہ سودا ہمارے سر میں نہیں

قدیم ذات خدا ہے جہاں حادث ہے — بوقت لوگ سمجھ میں یہ اے جناب آیا

نہ دعا آتی ہے ہم کو نہ دوا آتی ہے — بندۂ حق ہمیں تسلیم و رضا آتی ہے

کبھی شباب کبھی بچپنا کبھی پیری — مسافرت ہی میں اپنا بسر زمانہ ہوا
مزا ہے سوئیں گے آرام سی قیامت تک — زہے نصیب پس مرگ تو ٹھکانہ ہوا
نہ جانے کون ازل سی ہے منتظر کس کا — قضا کے آتے ہی جو شوق سے روانہ ہوا

وہ رند ہوں کہ مجھے دیکھ کر پئے تعظیم — اتر کے طاق سے خود شیشۂ شراب آیا

میں ان کے انتظار میں تارے گنا کیا چنتے رہے وہ ماتھے پر افشاں تمام رات

چشم نرگس ہے دہن غنچہ ہے قد ہے بوٹا وہ میرے سامنے پھرتے ہیں گلستاں ہو کر

قصور میں نے کیا خط نہیں لکھا میں نے خدا کی شان بلا آگئی کبوتر پر
تماشا دیکھ رہی ہے قضا نزاکت کا وفور ناز سے ہیں دونوں ہاتھ خنجر پر

چل رہی ہے کیا بہار افزا ہوا برسات میں کیوں نہ ہو داغ جگر اپنا ہرا برسات میں

خدا سے تنفر بتوں کی پرستش یہ اندھیر دنیا میں کیا ہو رہا ہے
زباں سے زباں وصل میں کب ملی ہے زبانوں میں باہم گلا ہو رہا ہے

طوماس — جان تھامس نام طوماس تخلص تھا۔ عام طور پر خاں صاحب نصاب جان کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے والد کا نام جارج تھامس تھا اور عرف جہازی صاحب تھا۔ طوماس پہلے ہانسی میں رہتے تھے۔ ۱۸۰۲ میں دہلی چلے آئے اور آخر دم تک یہیں رہے۔ اردو شعر اچھا کہتے تھے کافی مشق بہم پہنچائی تھی۔ شاہ نصیر سے تلمذ تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

سودا ہے زلفِ یوسف ثانی کا اِس قدر روتے ہیں ہم کھڑے سر بازار زار زار

عاشق جوزف نام دولار سے صاحب عرف عاشق تخلص تھا۔ ان کے والد کا نام مانوک ہے قوم فرانسیسی سے تھے۔ بھوپال میں ان کے والد کپتان تھے۔ عاشق بھوپال ہی میں ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ وفات کا سن معلوم نہو سکا۔ اس قدر معلوم ہوا ہے کہ وہ ۱۳۰۴ھ میں زندہ تھے۔ بھوپال میں ان کی شاعری کے چرچے تھے۔ بیگم صاحبہ بھوپال کی جانب سے جو مشاعرے ہوئے تھے۔ عاشق ان مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ عالمگیر محمد خاں نمود۔ عنایت محمد خاں راسخ۔ عاقل محمد خاں عاقل۔ محمد عزیز اللہ خاں عزیز۔ شیخ منیر الدین تمیز۔ شیخ نور الحسن اخلاص۔ محمد شاہ میر خاں عیش اور سید ممتاز علی حافظ سے ان رات صحبت تھی جس کی وجہ عاشق کو شعر و سخن کا اچھا ذوق ہوا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

محو نظارہ ہوا کس کی نظر کے تیر کا
طائر دل پر گماں ہے طائر تصویر کا

آج میخانہ پہ واعظ بن کے پیتے ہیں شراب
شیخ جی قائل ہوں میں اس آپکی تدبیر کا

مصحف رخ کے تصور میں ہے دل سی پارہ،
میں بھی حافظ ہوں اسی قرآن کی تفسیر کا

صورت فرہاد عاشق پھوڑئیے پتھر سے سر
سنگ سے بھی سخت ہے دل اس بت بے پیر کا

اشک کا ہر ایک قطرہ ہے سمندر کا جواب
ابر نیساں کب ہے میرے دیدۂ تر کا جواب

نوک مژگاں دے رہی ہیں تیر و نشتر کا جواب
دونوں ابرو ہیں ترے شمشیر و خنجر کا جواب

کیوں کشیدہ ہے تری تیغ نظر آپسے آپ — اب تو ٹکڑے ہوا جاتا ہے جگر آپسے آپ
ہنستے ہنستے چلے آئے مری گہر آپسے آپ — میرے گریہ نے دکہایا یہ اثر آپسے آپ

شاید ہمارے جذبۂ دل کا ہے یہ اثر — آئے ہیں آہ بہول کے صاحب کدہر سے آپ

زہی خموشی قیامت کی ہم کو ساری رات — یہ تیرے عشق کی کی ہم نے رازداری رات

اس کی فرقت میں یہ گہبراتی ہے روح — وصل کا انداز بتلاتی ہے روح
جان جاتی ہے ترے جانے سے یار — جب تو آجاتا ہے آجاتی ہے روح

اب تو خوش ہوگا دلا جاکے دل آزار کے پاس — روز کہتا ہے کہ لے چل مجھے دلدار کے پاس

وہ کون شئے ہے جس میں کہ تو جلوہ گر نہیں — کس دل میں تیرے عشق کا ایسا اثر نہیں
عاشق جہاں آنکہوں میں اندہیر ہوگیا — جس دن سے میرے پاس وہ رشک قمر نہیں

عشق کے آزار نے مارا مجھے — ہجر ستاتا ہے تمہارا اب مجھے
نزع میں جب اس نے پکارا مجھے — ہوگیا جینے کا سہارا مجھے
ہوکے تصدق میں قدم چوم لوں — گر کہیں مل جائے وہ پیارا مجھے
پوچھتے ہیں لیکے وہ عاشق کا دل — نام تو بتلاؤ تمہارا مجھے

عابد - یس۔ ڈبلیو بٹلر نام تخلص عابد تہا۔ کوئی حال معلوم نہو سکا نمونہ کلام کے لئے چند رباعیاں درج ہیں۔

قائم نہیں کچہہ بہی یہ تماشا کیا ہے
یہ مادہ کیا ہے یہ ہیولا کیا ہے
ابتک نہ کہلا عابد راز کم وکیف
حیران ہوں ماہیت اشیا کیا ہے

عالم بہی ہو تو ہو پر اللہ نہ ہو
مت بر سر ضد ہو دیکہہ گمراہ نہ ہو
کیا ایسے کے فلسفہ کا قائل ہو کوئی
خود اپنی حقیقت سے جو آگاہ نہ ہو

عصیاں کو طاعات سے معنی سمجہا
اور زہد ریائی کو تو تقوی سمجہا
اپنے کو سمجہتا ہے تو اچہا عابد
اے خانہ خراب! تو نے اچہا سمجہا

لاکہوں ہی گنہ سہی طاعت نہ سہی
میں تیرہ دروں لایق رحمت نہ سہی
راضی برضا منتظر بخشش ہوں
دوزخ ہی ملے الہی جنت ہی سہی

آزاد ہوں مجہ کو حاجت پند نہیں
سودا ہے تجہے تیری زباں بند نہیں
مت کہہ مجہے رندانہ روش کرنیکو ترک
عابد میں تیری شرع کا پابند نہیں

عابد نے گریہ یعقوب کے نام سے اپنے بیٹے کی وفات پر ایک نظم

لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں ۔

آہ کیا یہ تیر پیری ہی میں لگنا تھا مجھے — کیا اسی دن کیلئے پالا تھا اُکو ناز سے

مائہ آرام جاں و جہہ شکیب دل بنا — کیا ہوا کیوں ہے خفا کیا ہوگئی ہم سے خطا

چاند سا مکھڑا دکھاؤ اسقدر روٹھے ہو کیوں — تم رہی جو یونہی چپ ہو جائے گا ہم کو جنوں

کون سی شئے بانٹے یوسف رکھی تم سے عزیز — تم تو ای جان پڑے تھے جان سے ہم کو عزیز

کس کو چھاتی سے لگائیں کس پہ جاں قربان کریں — دل پھٹا جاتا ہے صدمے سے الٰہی کیا کریں

جس ستمگر نے بہایا خون اس معصوم کا — کاش کرتا مجھکو بھی اس قید ہستی سے رہا

سوؤں میں آرام سے اور تو رہے زیر زمیں — اے میرے دلبند یہ مجھ سے کبھی ممکن نہیں

میرے یوسف کو ملادے مجھ سے اے رب قدیر — یا مجھے پہنچا دے اس تک مالک ناوپیر

عبری — نام آنزک عبری تخلص تھا۔ کلکتہ میں رہتے تھے اردو شاعری سے بہت دلچسپی تھی اور شعر بھی کہتے تھے نمونہ یہ ہے ۔

اشک مے شیشہ جگر چشم جو میخانہ بنے — دیکھئے اب ہمہ تن غیرت میخانہ ہوا

فراسو — کوئیس کوٹینس نام فراسو تخلص تھا ۔ ان کے والد اگسٹن جو فرانسیسی تھے بیگم شمرو کے ہاں ملازم تھے ۔ فراسو

بیگم شمرو کے درباری شعراء میں ممتاز تھے۔ ان کی شاعری کی بہت شہرت تھی۔ خیراتی خاں دلسوز سے تلمذ تھا۔ صاحب دیوان اور دیگر کئی تصانیف کے مصنف ہیں۔ ان کے دیوان کا انتخاب مولانا حسرت موہانی نے بھی شائع کیا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہے خواب میں دیکھا تو نظاہر بھی ملیں گے ۔۔۔ قسمت سے نہ گر خواب کی تعبیر الٹ جائے

پھبتا ہی کیا ہی تجھ کو اے یار مسکرانا ۔۔۔ ٹک واسطے خدا کے یکبار مسکرانا

غنچوں کو اے ستمگر تیرے دہن کے آگے ۔۔۔ ہنسنا تو یکطرف ہے دشوار مسکرانا

ہاتھوں نے نہ ایک تار گریباں میں چھوڑا ۔۔۔ پاؤں نے نہ اک خار بیاباں میں چھوڑا

دم خفا مجھ سے ہوا اور میں خفا دم سے ہوا ۔۔۔ رفتہ یہ مرا حال ترے غم سے ہوا

مجھ کو کہتے ہیں بڑا ڈھب ہے تجھے یاری کا ۔۔۔ سوچنا طور ذرا آپ کی عیاری کا

یوں دل آوارہ اپنا اے فراسو گم ہوا ۔۔۔ مرغ وحشی جیسے ہوئے آشیانے سے جدا

جو آپ کی دوری میں دل پہ میرے غم گزرا ۔۔۔ فرہاد پہ کم گزرا مجنوں پہ بھی کم گزرا

تہارات فراسو کا مہمان وہ شیریں لب   کیا کہیئے مزا اس سی جو کچھ کہ بہم گزرا

نہ تخت روم کی خواہش نہ ملک شام لیتے ہیں   تمھارے نام کو ہم صبح سے تا شام لیتے ہیں

رکھ اس کے تصور میں سدا دیدۂ تر بند   لازم ہے کہ کاشانہ خلوت کا ہو در بند

اپنے تو بخت سکندر پر فراسو مت اکڑ   دیکھ ذلت مر گیا آخر کو دارا کھینچ کر

اے دل مضطر تو زیر خاک نالوں کو نہ چھیڑ   چین لے اب تو عدم کے سونے والوں کو نہ چھیڑ

اے فراسو سن بقول شخص کیا ہے فائدہ   دم میں خوش دم میں خفا ہو جانے والوں کو نہ چھیڑ

قاصد یہ کہیو اس بت مغرور سے الگ   کب تک رہو گے عاشق رنجور سے الگ

یار سے دور گئے ہیں ہم   سخت رنجور ہو گئے ہیں ہم

جلتے دل کو فراسو کر کے سیر   موسی طور ہو گئے ہیں ہم

اب کے جو ملے مجھ سے تو یار ہے اور میں ہوں   اس وعدہ خلافی کی تکرار ہے اور میں ہوں

وہ دل مرا مانگے ہے میں وصل کا طالب ہوں   انکار ہے اور وہ ہے اقرار ہے اور میں ہوں

وہ دن گئے صحبت میں دیدار تھا اور میں تھا   اب روبرو آنکھوں کو دیوار ہے اور میں ہوں

کہوں میں دل کے تڑپنے کی کیا حقیقت آہ — خدا کسی کو دکھائے نہ اضطراب کے دن

ہم خاک ہوئے تو بھی درسے نہ ٹلے تیرے — اُلفت اسے کہتے ہیں ہمت کے یہ معنی ہیں

آباد ایک روز نہ دیکھا کبھو اِسے — کیا لیجئے میں کروں دل خانہ خراب کو

یوں ہم آغوش ہوں پری کے ساتھ — جس طرح جسم ہوئے جی کے ساتھ

ہوتا بسر ہے یوں اب روز فراق اپنا — کب دردِ دل نہ دیکھا کب دردِ سر نہ دیکھا
فریاد میری سن کر کچھ آہ کام آئی — نالے کا آہ پر کچھ ہم نے اثر نہ دیکھا
دیکھا ہر ایک طرف کو محفل میں ای فراسو — بیٹھے تھے ہم جدھر کو اس نے اُدھر نہ دیکھا

دل میں ملنے کی نہیں تو یہ بہانا سیکھا — اور سیکھا بھی تو بس بات بنانا سیکھا
آئینہ کب تری صورت کے مقابل ہوگا — ہم سے پردہ میں چھپے خوب بہانا سیکھا
اپنا ہی قصہ جانسوز فراسو تو لکھ — یک قلم لکھنے سے کیوں ہاتھ اٹھانا سیکھا

کیوں اُتر جائیں بھلا ہم طرف دلدار سے — اسکا مطلب مجھ سے اور میرا ہی مطلب یار سے
بندش رشتہ ہے مجھ کو ایک بت عیار سے — کب مسلمانوں کو میرے عار ہے زنار سے
نرگس بیمار کے تلوے میں سہلاؤں نہ کیوں — کرتے ہم چشمی ہیں میرے دیدۂ خونبار سے

یاس و غم کے ہوں مضامیں جس میں وہ پڑھیئے غزل
ہم تو ہوتے ہیں فراسو خوش ترے اشعار سے

کون سے مذہب میں ہے عاشق کا ترسانا روا
یعنے ظالم کے نہیں ہے ماتھہ کا کھانا روا

گر دکھانا ہی نہیں جلوہ تو آنا ہے روا
دیر کی تم نے تو ہے عاشق کا مر جانا روا

غیر کے گھر میں کیا جانا جو جاناں نے روا
ہم نے بھی جانا ہے جانا جان کا جانا روا

چاہیئے بیمار تیرے لعل لب کو چوس لے
وقت مردن ہی مسی کو پان کا کھانا روا

کون بچتا ہے فراسو ہاتھہ سے اس موت کے
عاقبت سوئے عدم انساں کو جانا ہے روا

دل اس کے دم میں آنا وہ یار کس کا ہے
کسی کے دل پہ بھلا اختیار کس کا ہے

جو نکلے سینہ سے دم تو اسے نکلنے دو
اے یار وہ دل یا اختیار کس کا ہے

لگی ہے تار نفس میں یہ ناخن مضراب
کہو یہ پردہ میں بجتا ستار کس کا ہے

کرو نہ گریہ و نالا اسد افراسو تم
وہ بیوفا ہے صنم غمگسار کس کا ہے

فلاطون - بنجمن جانسٹن نام فلاطون تخلص تھا - عام طور پر ڈاکٹر بینی صاحب کے نام سے مشہور تھے - حیدر آباد دکن میں ملازم تھے - ڈاکٹری علاج میں بڑا نام پیدا کیا تھا اب بھی حیدر آباد میں ایک محلہ "بنگلہ بینی صاحب" کے نام سے مشہور ہے - ان کے والد فوج میں کپتان تھے - فلاطون کو اردو فارسی میں اچھی دستگاہ تھی، اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے - فارسی میں امیر اللہ احمد امیر

مدراسی کے شاگرد تھے۔ اُردو میں مرزا مہدی حسین حناؔ سے تلمذ تہا۔ اردو نثر میں بہی انکی دو تین کتابیں طب میں ہیں۔ ۱۸۸۶ میں ان کی عمر پچاس برس کی تہی نمونہ کلام یہ ہے۔

کیوں خزاں میں سر پٹک کر مر نہ جائے عندلیب
ہے بقائے گل سے وابستہ بقائے عندلیب

جوش گل سے کم نہیں کچھ بلبلوں کا بہی ہجوم
ٹھنی ٹہنی پر نظر آتی ہے جائے عندلیب

شاہد گل صاحب زر ہے چلے گا کچھ نہ زور
اس کی آنکھوں میں ہے کیا مرگ و نوائے عندلیب

کیا کرے گلشن سے اس کا آب و دانہ اُٹھ گیا
دام میں خود پہنس گئی بیٹھے بٹھائے عندلیب

جان دیکر عشق گل میں سو گئی آرام سے
درد بے درماں ہوا آخر دوائے عندلیب

فلک۔ فلیکس گارڈنر المعروف فلی صاحب۔ فلک تخلص تہا۔ یہ نابینا تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

نیارے خاک تلک چھانتے گلیوں کی ۞ اس قدر ہے طمع زر کہ جسے کہتے ہیں

فنا - مرزا سلیمان شکوہ گارڈنر عرف منا صاحب بڑے[۵۸] قادر الکلام شاعر تھے فنا تخلص کرتے تھے۔ ۱۹۰۲ میں بعمر ۸۲ سال انتقال کیا۔ ان کی معاشرت بالکل ہندستانی تھی امراء کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ خطاطی میں مہارت تھی۔ لکھنو، دہلی، اور آگرہ کے اکثر شعراء نے آپکی مہمان نوازی اور فیاضی سے فائدہ اٹھایا۔ مرزا عنایت علی بیگ ماہ اکبر آبادی بھی آپ کے دامن دولت سے وابستہ رہے۔ لکھنو کے مشہور ریختی گو شاعر جان صاحب بھی آخری عمر میں چھاؤنی پہنچے اور وہیں ان کا انتقال بھی ہوا۔ ان کی قبر وہیں ہے۔ منا صاحب صوفی مشرب تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

شمع خاموش ہوئی مرغ سحر بول اٹھا
خواب سے وہ بت بے پیر جو منہ کھول اٹھا

ہماری بات گئی اور التجا کر کے
ہوا حصول نہ کچھ عرض مدعا کر کے

پوچھا جب دل سے کہ کب وصل کا ساماں ہوگا
بولا جس روز کفن میں تن عریاں ہوگا

آج تو شوق سے پی خون جگر اے غم یار
ناشتہ کل کو کباب دل بریاں ہوگا

اے فنا کیا کہوں کہ کیا ہے دل — خاص ایک صورت خدا ہے دل
منزل دل ظہور نامِ خدا — ظرف انوار لاالہ ہے دل

دل کی بے صورتی جو صورت ہے — معنی محض تو بجا ہے دل
کیا ہے صورت وہی نمود وجود — دو جہاں جو دکھا رہا ہے دل
جز ہے اور کل و جز کا جامع کل — مظہر کل ہے کبریا ہے دل
نطق اس کا وہ جبریل امیں — آپ پیغمبر خدا ہے دل
دل کی صورت میں تھا خدا جو فنا — تو خدا میں فنا ہوا ہے دل

مدعی دیدہ بنا مدعی علیہ دل لے گیا — روبکاری ہے مقدم عقل دیوانی کر

فنا۔ جوزف بنسلی نام فنا تخلص تھا۔ فوج میں جنرل اور مہاراجہ الور کے ملازم تھے شعرگوئی سے انہیں خاص شغف تھا اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے اور ستار بھی خوب بجاتے تھے۔ ۲۴ سال کی عمر میں مرض دق سے ۱۸۷۱ء میں وفات پائی۔

مضطر۔ بی۔ ڈی مانٹروز نام مضطر تخلص تھا آئرلینڈ ان کا وطن ہے شاعری کا ذوق فطری تھا۔ دہلی میں دس سال رہے یہیں اردو سیکھی اور داغ کے شاگرد ہوئے۔

ہندستانیوں سے بہت میل جول تھا۔ مسٹر نوروزجی کے تھیٹر میں آرٹسٹ تھے۔ اشتہار نگاری کا کام بھی ان کے سپرد تھا۔ اسّی روپیہ تنخواہ ملتی تھی ۱۹۸۳ میں تھیٹر کے ساتھ مرزاپور آئے ان دنوں مرزاپور میں مولوی فرزند علی وکیل کے مکان میں مشاعرے ہوا کرتے تھے مضطر بھی ان میں شریک ہو کر داد سخنوری حاصل کرتے رہے۔ چند روز کے بعد تھیٹر کی ملازمت ترک کر کے الہ آباد چلے گئے اور وہاں مصوری کی ایک دکان کھول لی۔ یہاں ان کا کاروبار خوب چمکا۔ مشاعروں میں اپنا کلام سنانے کا بہت شوق تھا۔ لوگ کچھ تو ان کے اچھے کلام اور کچھ ان کے نرالے لہجہ کی وجہ سے ان کا کلام سننے سے زیادہ دلچسپی ظاہر کرتے تھے۔ داغ نے مولوی نعیم الحق آزاد شیخوپوری کو ۲۱ اپریل ۱۸۹۸ء کو ایک خط لکھا تھا جس میں ان سے مضطر کی کیفیت پوچھی تھی۔ اس خط کا عکس رسالہ مرقع لکھنؤ میں چھپا ہے۔ نمونہ کے لئے غزل کے چند شعر درج ہیں۔

صفائی دیکھنا قاتل کی مقتل میں کہ کس فن سے
لگا کر تیغ میرا خوں بچایا اپنے دامن سے

بچے تو کیا بچے کوئی نگاہ چشم پرفن سے
کہ در پردہ چلاتی ہے ہزاروں تیر چلمن سے

اٹھا جب ہاتھ قاتل کا وہیں سر کر دیا حاضر
مرے ہم تو بلا سے لی مگر تعظیم دشمن سے

ستارے جن کو کہتے ہیں اٹھا لایا فلک ان کو
گرے تھے پھول جو میرے چراغ داغ روشن سے

استاد داغ کی وفات پر مضطر نے ایک مرثیہ لکھا ہے اور فن کے اعتبار سے بہت اچھا لکھا ہے "غیاث المضطر یعنی نوحہ داغ" اس کا نام ہے۔ اس میں ۱۰۲ بند ہیں اس کی تمہید نثر میں ہے جس کا کچھ حصہ بطور نمونہ درج ہے۔

"حیف صد حیف کہ یہ دلسوز بی۔ ٹی مانٹرو متخلص بہ مضطر بحال وابتر گذارش کرتا ہے کہ حضرت استاد مرحوم سے اور مجھ سے بحسن اتفاق اتحاد ربط وضبط اس قدر بڑھا ہوا تھا لوگوں کو میرے تلمذ ہونے میں گفتگو تھی اس حادثہ ناگہانی سے دل کو وہ اضطرار رہا کہ یہ غیاث المضطر جس کا جواب ہوا۔ ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ باتیں ..... مقبول خاص و عام ہو تو زہے سعادت"

رحمت باری سے مضطر دور کیا   ورنہ میں کیا اور میرا مقدور کیا

نوحہ داغ کا انتخاب بطور نمونہ ——

صبر و شکیب طاقت ضبط فغاں نہیں
کہنا پڑا کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں

غمخوار یار مونس و ہمدم یہاں نہیں
کس کو سنائیں حال کوئی مہرباں نہیں

ایک داغ تھا سو وہ بھی تہ آسماں نہیں

ملک سخن میں داغ تو ہر دلعزیز تھا
مانے حریف اس کو نہ مانے تو اس سی کیا
جو کچھ کہیں گے اس کیلئے ہے وہ سب بجا
مضطر زبان خلق ہے نقارہ خدا

باقی اگرچہ ہند میں اس کا نشاں نہیں

آغاز ہائے نالۂ شور و فغاں سنو
بیٹھو جگر کو تھام کے درد نہاں سنو
یہ شور الغیاث تہ آسماں سنو
دو تین نالے ہم سے بھی پیر و جواں سنو

تلمیذ داغ دہلوی ہیں نوحہ خواں نہیں

دنیا سے ہائے روح فصیح البیاں گئی
یہ کیا گئی فصاحت ہندوستاں گئی
بزم جہاں سے رونق اہل زباں گئی
گویا کہ جسم خلق سے روح رواں گئی

جسم سخن میں ہائے وہ اب لطف جاں نہیں

دلی میں مرشدوں کا یہی غمگسار تھا
اچھا تھا یا برا تھا مگر یادگار تھا
اے چرخ نابکار تجھے جس سے خار تھا
وہ تو غریب آپ ہی یاروں کا یار تھا

پامال تجھ کو کرنا تھا اے بدگماں نہیں

شاعری کی زبان سے

...اغ بزم اہل سخن میں یتیم ہوں
...یں ...س کے پاس بیٹھ کے جانوں ندیم ہوں
غیروں کے پاس رہ کے میں کیونکر مقیم ہوں
میں آشنائے داغ سخنور قدیم ہوں
کس طرح بیٹھ جاؤں وہاں وہ جہاں نہیں

تاریخ وفات

تاریخ مرگ داغ سخنور بہ نالہا ... پوچھا جو شاعری سے ہیں ہم نے برملا
چشم پر آب ہو کے بصد یاس تو ں کہا ... مضطر ہمیں تو غیب سے آتی ہے یوں ندا
لو باغ میں وہ بلبل ہندوستاں نہیں

شہریار دکن کی دعا پر نوحہ کا خاتمہ

میری دعائے خیر پہ اب اختتام ہو ... جبتک کہ دور چرخ بریں صبح و شام ہو
جبتک کہ آسمان و زمیں کو قیام ہو ... جبتک کہ آفتاب سر چرخ بام ہو
ہو بندگان عالی سے خالی جہاں نہیں

مفتون - آگسٹن ڈی سلویرا نام مفتون تخلص تھا۔ پرتگیز النسل تھے آگرہ میں قیام تھا۔ اردو شعر اچھا کہتے تھے۔ مرزا عنایت علی بیگ ماہ[1] سے تلمذ حاصل تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

[1] ماہ

نکالوں کس طرح پہلو سے ٹکڑا اس کے پیکاں کا[۵۷]
کہ مدت میں گزر دل میں ہوا ہے آج مہماں کا

عجب تیرے کشتہ کا دیوانہ پن ہے
نہ ثابت لحد ہے نہ تار کفن ہے

خراب مٹی ہے تڑپے ہے ہجر یار میں روح
نہ دل ہے قابو میں اپنا نہ اختیار میں روح
کبھی دماغ میں ہے گاہ دل میں گہہ سب پر
بھٹکتی پھرتی ہے گھبرا کے جسم زار میں روح
تم آؤ بالیں پہ تو اس عذاب سے چھوٹے
لبوں تک آ نہیں سکتی ہے انتظار میں روح
بغیر حکم خدا نکلے کس طرح باہر
پڑی ہے شیشہ میں مفتوں نہیں حصار میں روح

ملکہ - اپنی نام ملکہ تخلص تھا۔ ان کے والد مسٹر بلا کر کلکتہ میں

---

[۵۷] - مرزا عنایت علی بیگ ماہ لکھنؤ کے باشندے تھے لیکن اکبر آباد میں سکونت اختیار کی تھی۔ آتش کے شاگرد اور صاحب دیوان ہیں۔

پولس سپرنٹنڈنٹ تھے ۱۸۷۰ء میں زندہ تھے۔ ملکہ کو موسیقی میں اچھا دخل تھا۔ کبھی کبھی اردو شعر کہتی تھیں۔ عبدالغفور نساخ[۱] کی شاگرد تھیں۔ آخر عمر میں مشرف با اسلام ہو گئی نمونہ کلام یہ ہے۔

ہو گئی نیند بھی ہمسایہ کو تا صبح حرام
میں لئے نالہ جو کسی رات سر شام کیا
آہ وزاری نہیں سنتے بخدا راتوں کو
اس صنم کو ملکہ نے ہی مگر رام کیا

ہجر میں دل کو بیقراری ہے — جوش فریاد آہ وزاری ہے
آنکھیں پتھرا کے ہو گئی ہیں سفید — کسی شب کی جو انتظاری ہے

واکر۔ واکر نام واکر تخلص قوم انگریز سے تھے کلکتہ میں قیام تھا۔ اردو بہت صاف بولتے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

رخ شعلہ ہے تن نور ہے بلور کی ہڈی — کیوں رشک سے تیرے نہ جلے حور کی ہڈی

---

[۱] ۔ عبدالغفور خاں نساخ کلکتہ میں رہتے تھے " سخن شعراء " کے نام سے اردو شعراء کا بہت اچھا تذکرہ لکھا ہے۔ ان کا کلیات چھپ گیا ہے۔

او طالبِ دُنیا تجھے عبرت نہیں آتی
کھائی دہن خاک نے فغفور کی ہڈی

گر راست ہو قسمت ہو کبھی باعث دولت
مشہور ہے کج پاؤں میں تیمور کی ہڈی

تاثیر دم سرد کی ظاہر ہوی جب سے
تن ہو گیا یخ بن گئی کافور کی ہڈی

ولیم - جوزف برویٹ نام ولیم تخلص - قوم انگریز سے تھے - ۱۸۵۷ کے غدر کے بعد لکھنو میں مقیم تھے - منشی دیاکرشن ریحان[1] سے تلمذ تھا - صاحب دیوان ہیں - قدیم اردو گلدستوں میں ان کی اکثر غزلیں چھپی ہیں دیوان انوار الاخبار لکھنو میں ۱۸۷۸ء میں چھپ گیا ہے - نمونہ کلام یہ ہے -

---

اللہ اللہ میں کہاں اور کوچۂ جاناں کہاں
جذبۂ دل تیرے صدقہ تیرا ہوں لایا ہوا

دل بھی رخصت ہوا جدائی ہیں
یار کوئی نہیں برے دن کا

اس کے احساں کا بار ہے سر پہ
کبھی جس نے اتارا ایک تنکا

ہم نے چشم حباب سے دیکھا
ہیچ ہے کارخانہ ..... کا

---

[1] دیاکرشن ریحان منشی گنگا بشن عزیز کے فرزند ہیں قوم کایستہ لکھنو میں بود و باش تھی منشی موجی رام موجی کے شاگرد تھے - صاحب دیوان ہیں - ۱۸۸۵ میں وفات پائی -

بخدا کچھہ میں کہہ نہیں سکتا کہنے کو بندہ خدا ہیں آپ

اپنی نظروں کو کچھہ نہیں کہتے میری دل کی بہلا خطا کیا ہے

کیوں بتوں پر تو جان دیتا ہے تجھہ کو ولیم بتا ہوا کیا ہے

سنوں میں ایک یہ افسانۂ تیرا کیا واعظ تجھہ ایسے دیکھے سنے ہیں ہزار ہا واعظ

ابتو دست جنوں کو فرصت ہی کہ گریباں میں ایک تار نہیں

کجروی اس کی ہے داخل بانکپن میں کیوں نہیں
بوجوانی کی ہے اس چرخ کہن میں کیوں نہیں
سرو سے کچھ قد میں کم ہیں گل سے کم کچھ رنگ میں
کیا تامل ہے انہیں جاتے چمن میں کیوں نہیں
بت بنے بیٹھے ہیں کچھہ کہتے نہیں سنتے ہیں سب
یہ نہیں کھلتا زباں ان کے دہن میں کیوں نہیں
ہوگیا ہے خشک کس کا روئے رنگیں دیکھ کے
ایک لہو کی بوند لالے کے بدن میں کیوں نہیں

تشنگان وصل ہوں سیراب ولیم کس طرح
حیف پانی یار کے چاہ ذقن میں کیوں نہیں

کلاڈلسن بیکسٹر

حمد لکھنوی کے شاگرد تھے ۔ نمونہ کلام کے لئے ان کی ایک غزل دستیاب ہوئی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں ۔

مانند ان گلوں کے کہاں ہیں چمن کے پھول ۔
پہنچے ہیں دور دور ریاض سخن کے پھول

سننے کو نغمہ سنجی بلبل بہار میں
بیٹھے ہیں شاخ پر ہمہ تن گوش بن کے پھول

لو آج کر رہے ہیں وہ ہنس ہنس کے گفتگو
عشاق لوٹیں شوق سے ان کے دہن کے پھول

کھب کھب گئے نظر میں حسینوں کے گل سے گال
آنکھوں سے میں نے چن لئے سب انجمن کے پھول

پامال ہونے پر بھی سلامت ہے اپنا دل
کیا ہلکے ہلکے پاؤں ہیں اس گلبدن کے پھول

وہ گل یہ چاہتا ہے رہے اب بھی میری یاد
ڈالے ہیں لیکے تھوڑے سے اندر کفن کے پھول

تمت

ہماری مطبوعات

زلزلے - قدوس صہبائی بی - اے (آنرز) افسانوں کا مجموعہ - مجلد رنگین گردپوش قیمت ——— دو روپیہ بارہ آنے -

سیلاب - احمد ندیم قاسمی (افسانوں کا مجموعہ) مجلد - رنگین گردپوش قیمت ——— تین روپیے آٹھ آنہ -

انگڑائیاں - منتخبہ احمد ندیم قاسمی (افسانوں کا مجموعہ) مجلد - رنگین گردپوش قیمت ——— تین روپیہ چار آنہ

زندگی کی ٹھوکریں - رئیس احمد جعفری (افسانوں کا مجموعہ) مجلد - رنگین گردپوش قیمت ——— تین روپیہ

تقدیریں - از منظور بخاری - بی - اے - قیمت ——— ایک روپیہ

کردار - از ماہر القادری (ناول) مجلد۔ رنگین گرد پوش۔
قیمت ——— دو روپیہ آٹھ آنے۔

پریم پجارن - قدوس صہبائی۔ بی۔ اے (آنرز) کتابت وطباعت اعلیٰ ——— قیمت چودہ آنے۔

مردِ انقلاب - قدوس صہبائی۔ بی۔ اے۔ (آنرز)
قیمت ——— بارہ آنے۔

بخارا کا جمہوری انقلاب - قدوس صہبائی۔ بی۔ اے (آنرز)
قیمت ——— نو آنے۔

ترکستانی خاتون شاہراہ انقلاب پر - قدوس صہبائی بی۔ اے۔ (آنرز)
قیمت ——— بارہ نو آنے۔

ادب اور انقلاب - ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری۔
قیمت تین روپے آٹھ آنے۔

گرداب - احمد ندیم قاسمی۔
قیمت ——— تین روپے بارہ آنے

لہریں - ڈاکٹر شفیق الرحمان۔
قیمت ——— تین روپے بارہ آنے

افسانے اور ڈرامے - سعادت حسن منٹو۔
قیمت ——— دو روپے بارہ آنے

ہماری مطبوعات

- گرداب ۔ احمد ندیم قاسمی ۔۔ ۳-۱۲-۰
- سیلاب " " ۔۔ ۳-۸-۰
- انگڑائیاں " " ۔۔ ۳-۴-۰
- لہریں ۔ شفیق الرحمان ۔۔ ۳-۱۲-۰
- افسانے اور ڈرامے ۔ منٹو ۔۔ ۲-۱۲-۰
- زندگی کے نئے زاویے جعفری ۔۔ ۳-۰-۰
- زندگی کی ٹھوکریں " ۔۔ ۳-۴-۰
- زلزلے ۔ قدوس صہبائی ۔۔ ۲-۱۲-۰
- کروٹیں " ۔۔ ۲-۱۲-۰
- ولولے " ۔۔ ۲-۱۲-۰
- پریم پجارن " ۔۔ ۰-۱۲-۰
- تقدیریں ۔ منظور بخاری ۔۔ ۱-۰-۰
- یقین و عمل ۔ عبدالقدوس ہاشمی ۔۔ ۲-۸-۰
- قصص و مسائل ۔ عبدالماجد دریابادی ۔۔ ۱-۱۲-۰
- ضربیں ۔ قیسی رامپوری ۔۔ ۳-۰-۰
- تعبیریں ۔ امین شرقپوری ۔۔ ۲-۱۲-۰
- رنگین سپنے ۔ کوثر چاندپوری ۔۔ ۲-۱۲-۰
- کردار ۔ ماہر القادری ۔۔ ۲-۴-۰
- مرد انقلاب قدوس صہبائی ۔۔ ۰-۱۲-۰
- بخارا کا جمہوری انقلاب ۔۔ ۰-۹-۰
- ترکستانی خاتون ۔۔ ۱-۹-۰
- یورپ میں شعرائے اردو ۔۔ ۰-۱۲-۰
- سیاروں پر زندگی کے امکانات ۔۔ ۰-۹-۰
- مقالات محمد علی حصہ اول ۔۔ ۳-۱۲-۰
- مقالات محمد علی حصہ دوم ۔۔ ۳-۱۲-۰
- ادب اور انقلاب اختر رائے پوری ۔۔ ۳-۸-۰
- رنگ محل ۔ ساغر نظامی ۔۔ ۳-۱۲-۰
- کاروان علم ۔ ۔۔ ۳-۰-۰

مکمل فہرست کتب طلب فرمائیے

ادارہ اشاعت اردو ۔ عابد روڈ ۔ حیدرآباد (دکن)